برصغیر میں فن منطق: تصانیف وتراجم کی روشنی میں ترویج وارتقا کا جائزہ

سید متین احمد شاہ*

عاصم رضا**

The Genre of Logic in Subcontinent: An Appraisal of Compilations and Translations
The earth of subcontinent occupies a pivotal positions with regards to several genres of knowledge. It is also prominent for pure rational sciences. This territory acquired the light of rational sciences from Khuras and Transoxiana (known in Arabic sources as Mā Warāʾ an-Nahr). The land of Multan was the first center of rational sciences. Some personalities of Sindh took part in the movement of translation in the period of Abbasids. The historians are of the view that the first book of theology was written in the land of Sindh. In the subcontinent the Muslims took interest in the science of logic in seventh century of Hijrah. This was the time of declining the Abbasid Empire and many scholars inhabited this land, but the history of this science in the subcontinent is very ancient. In this article and attempt has been made to show the evolution of the Logic through the compilations and translations. It covers this academic journey from seventh century to the present. It also throws light on the further need of work from different perspectives.

برصغیر کی سرزمین علم وحکمت کے باب میں زمانۂ قدیم سے ایک امتیازی حیثیت رکھتی ہے، تاہم اس خطے کے حوالے سے یہ ایک بڑا المیہ ہے کہ اس کی علمی تاریخ مرتب نہیں ہو سکی ہے۔عام طور پر لکھی گئی تواریخ میں ہمیں ملوک و سلاطین کے حالات، ان کی کشور کشائیوں اور دیگر سیاسی سرگرمیوں کے حالات تو ملتے ہیں، لیکن علم کا باب عمومی طور پر پردۂ خفا میں رہا ہے۔برصغیر کے خطۂ کشمیر کی قدیم اور معروف تاریخ پنڈت کلہن کی لکھی گئی **راج ترنگنی** ہے۔اس میں اس خطے کی علمی زرخیزی کے بعض حالات کی طرف اشارات ملتے ہیں۔قدیم مصنفین میں جاحظ، یعقوبی، ابوزید سیرافی وغیرہ نے اس خطے کے افراد کی علوم وفنون میں برتری کا ذکر کیا ہے اور تاریخ میں یہ اشارات بھی ملتے ہیں کہ اس خطے کے علمی کمال سے یونان کی تہذیب نے بھی اخذ واستفادہ کیا۔(1)

مسلم دنیا میں عقلی علوم کا آغاز عربوں کی تحریکِ ترجمہ سے ہوا اور اس کا احساس پہلی صدی ہجری میں ہو گیا تھا۔جب تک حکومت کا مرکز شام تھا تو یونانی اور سریانی زبانوں کا غلبہ رہا، لیکن جب عراق میں عباسی خلافت کا تخت بچھا تو پھر ایران اور ہندوستان کی سرزمین کے اہل علم نے اس باب میں اپنا حصہ ڈالا۔خلافتِ عباسیہ کی نسبت سے خاندانِ برامکہ سے تاریخ کا ہر طالب علم واقف ہے۔برامکہ کے بارے میں معروف ہے کہ وہ مجوسی لوگ تھے، بعض عرب مؤرخوں نے

* لیکچرر / نائب مدیر ”فکر و نظر“ ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، بین الاقوامی، اسلامی یونی ورسٹی، اسلام آباد۔

** ڈیپارٹمنٹ آف کمپیوٹر سائنس، سکول آف سائنس اینڈ انجینئرنگ، لمز، لاہور۔

ان کی اصل عربی بتائی ہے، لیکن مولانا سید سلیمان ندویؒ نے اپنی کتاب ''عرب وہند کے تعلقات'' میں تفصیلی بحث کے بعد لکھا ہے کہ یہ باتیں تذکرہ نویسوں کا لکھا ہوا جھوٹ ہے اور اصل حقیقت یہ ہے کہ برامکہ ابتدا میں بدھ مذہب کے پیروکار اور اصلا ہندوستان کے لوگ تھے اور لکھا ہے کہ یہی وہ خاندان ہے جس کی سرپرستی میں مسلمانوں میں علمِ کلام، فلسفہ، طب ،معقولات اور دوسری قوموں کے علوم کے سیکھنے کا شوق پیدا ہوا۔(2) معلوم تاریخ کے عہد میں دیکھا جائے تو پتا چلتا ہے کہ اس خطے میں علم کی کرنیں خراسان اور ماوراء النہر کے افق سے پڑیں۔ ان علاقوں میں علم کی روایت پر نقلیات کے مقابلے میں عقلیات کا غلبہ رہا ہے اور جب ان عقلی علوم کا یہاں ورود ہوا تو ہمارے موجودہ پاکستان کا شہر ملتان ان کا اولین مرکز بنا ۔اس کے علاوہ لاہور، دہلی، گجرات، جونپور اور لکھنؤ جیسے مراکز علم قدیم دور سے علما کے مراکز رہے ہیں۔

عربوں کے باقاعدہ سندھ سے داخلے کے بعد یہاں شمالی مغربی ہندوستان میں اسلام ثقافت کے دو مرکز تھے: سندھ اور ملتان؛ عربوں کی سرپرستی میں یہاں وقت کا سب سے پہلا علم، علمِ حدیث تھا اور دوسرا علمی مشغلہ شعر و شاعری کا تھا جن میں بالترتیب ابو معشر السندی اور ابو عطاء سندی معروف نام ملتے ہیں جن کا تذکرہ قدیم مؤرخین میں سمعانی، ذہبی وغیرہ نے کیا ہے۔(3) اس کے علاوہ تیسری قسم کے علوم، علومِ عقلیہ (منطق، فلسفہ، ریاضی، ہیئت، طب وغیرہ) ہیں۔ عہدِ عباسی میں تحریکِ ترجمہ میں سندھ کی شخصیات کا ایک نمایاں کردار ہے جس کے باعث ہندوستان کے قدیم علوم دنیا تک پہنچے۔ مؤرخین نے لکھا کہ عقائد یا علم کلام میں سب سے پہلی کتاب علاقۂ سندھ ہی میں لکھی گئی۔(4)

زیرِ نظر مقالے میں اس خطے میں فنِ منطق کی ترویج وارتقا کا جائزہ لینا مقصود ہے، نیز اس میں یہ بات بھی دیکھی جائے گی کہ اس خطے کے ماہرینِ منطق نے اس فن کی دیگر متوازی اور قدیم وجدید روایات سے کیا اور کس حد تک استفادہ کیا اور اس میں مزید استفادے و اخذ کے کیا امکانات موجود ہیں؟ نیز اس خطے میں اس فن کے عملی اطلاقات سے کس حد تک اعتنا کیا گیا؟ برصغیر میں علمِ منطق میں مستقل بالذات تصنیف و تالیف اور تراجم کا جائزہ لیتے ہوئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس فن کی تدریس سے بھی اعتنا کیا جائے، کیوں کہ اس خطے میں اس فن میں لکھنے والے اہلِ کمال سب سے پہلے اس فن کے بہترین مدرس تھے۔ اس کے علاوہ دوسری اہم بات جس پر نظر ڈالنا ضروری معلوم ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ اس خطے میں ہندوستانی منطق کے خدوخال کو ملاحظہ کیا جائے اور یہ دیکھا جائے کہ آیا مسلمانوں کی معقولی روایت نے اس علمی روایت کو اپنے اندر جذب کیا یا نہیں یا اس سے اخذ و استفادے کا عنصر اس میں شامل ہے یا نہیں؟ نیز یہ کہ یونانی منطق کے مقابلے میں ہندوستانی منطق کے خدوخال کیا ہیں اور علمی لحاظ سے اس کی کیا قدر و قیمت ہے؟ پھر اس سلسلے کا ایک بنیادی سوال یہ ہے کہ اس خطے میں چوں کہ ہندی منطق کی بھی ایک مستقل اور زرخیز روایت رہی ہے تو اس کے حوالے سے علمائے مسلمین کا رویہ کیا ہے اور ہندی منطق کے خدوخال کیا ہیں؟

برصغیر میں ہندی منطق

برصغیر میں مسلمانوں میں علمِ منطق سے اعتنا، معلوم تاریخ کے مطابق جیسا کہ آگے عہد بہ عہد جائزے سے واضح ہو گا، ساتویں صدی ہجری سے ملتا ہے جب عباسی سلطنت کے زوال کے بعد یونانی منطق کے حامل اہلِ علم اس خطے میں آن وارد ہوئے، لیکن خود اس فن کی تاریخ اس خطے میں بہت پرانی ہے جس کا تعلق ہندو مت، بدھ مت اور جین مت کے افراد سے جڑتا ہے۔ اس خطے میں منطق کی روایت اس فن کی دو مزید روایتوں (یونانی اور چینی) کے شانہ بشانہ کھڑی ہے۔ ہندو مذہب کی مذہبی کتاب **وید** (زمانۂ تصنیف 1500ق م- 600ق م) بنیادی طور پر تین مضامین کا احاطہ کرتی ہے: دعا، عبادات اور علم؛ آخر الذکر حصہ روح اور اس کی تقدیر سے متعلق ہے۔ برہمنوں کے نزدیک یہ تصورِ وقت کے آغاز سے ہندوستان میں موجود ہے۔ اُپنشدوں (زمانۂ تصنیف 900 ق م- 600 ق م) میں بھی روح کے تصور پر بحث ملتی ہے۔ اپنشدوں میں ایک مستقل شاخِ مطالعہ 'آتماوِدیا' اسی کے ساتھ خاص ہے جس کا نام بعد میں ارتقا شدہ شکل میں سنسکرت لفظ میں 'آن وِک صیکی' (Science of Inquiry) پڑا۔ اس میں 'آتماودیا' کے مقابلے میں اس عنصر کا اضافہ ہوا کہ روح کے بارے میں اس کے مجرد تصورات کی عِلل اور وجوہ بھی پیش کی گئیں اور اس طرح اس کے دو حصے ہوئے: آتما (روح) اور ہیتو (نظریۂ عِلل)۔ گویا پہلے روح کے بارے میں مجرد نظریات کے عہد میں یہ ایک فلسفہ تھا، لیکن اس فلسفے کی علتوں کی تلاش کے ساتھ اس کی حیثیت منطق کی بھی ہو گئی۔ اس کے فلسفیانہ پہلو کا خصوصی نام 'درسانا' (بمعنیٰ دیکھنا) بھی ہے۔ 327ق م تک اس منطق میں تلاشِ عِلل کا معاملہ صرف روح کے مسائل تک محدود نہ رہا، بلکہ زندگی کے دیگر مظاہر تک بھی پھیل گیا جس کے نتیجے میں 'ہیتُوساترا' یا 'ہیتُوودیا' (Science of Reasoning) کے نام سے یہ ایک مستقل فن (Science) بن گیا۔ اسی طرح اس کو 'ترکاوِدیا' (فنِ بحث ومباحثہ) بھی کہا جانے لگا اور پھر مرورِ زمان سے اس کا نام 'نیایا ساترا' (Science of True Reasoning) بھی ہوا۔ اس وقت ایک مستقل سائنس کی حیثیت سے اس میں کئی امور زیرِ بحث آتے تھے۔ (5) اس سلسلے میں بتایا جاتا ہے کہ اس فن میں بنیادی کتاب گوتم کی **جین سوتر** ہے جو غالباً مسیحی عہد کی ابتدائی صدیوں میں تصنیف کی گئی۔ اس خطے میں ہندی منطق کی ترویج وارتقا پر گفت گو کرنے والے محققین نے لکھا ہے کہ یہاں کے ہندو یونانیوں کے یہاں آن وارد ہونے سے پہلے قیاس (Syllogism) سے واقف تھے اگرچہ بحیثیت ایک مربوط فن کی حیثیت سے اہلِ یونان کو سبقت کا درجہ حاصل ہے۔ اس استخراجی منطق کے علاوہ اس خطے میں استقرائی منطق کی بنیادیں بھی قرونِ وسطیٰ کے دور میں ملتی ہیں۔ چندراودیب ہسانا لکھتے ہیں:

> The universal proposition, that is, the proposition expressive of the universal relation between the middle term and the major term, serves as the major premise in a syllogism of the celebrated Greek logician

Aristotle. It was long unknown in India. Dignagn's discovery of the universal proposition marks a new era in the history of Indian Logic and shows a great development of the principle of induction(6).

ہندوستانی منطق کی روایت کے معاملے میں مسلمانوں کا رویہ

یہاں ہندوستان میں منطق کی جس روایت کا ذکر ہوا جو اس فن کی تین بڑی روایتوں (ہندی، یونانی اور چینی) میں سے ایک ہے، عجیب بات ہے کہ مسلمان علما کے فن منطق کے ساتھ اس عہد بہ عہد تعلق میں ہمیں کوئی اشارہ نہیں ملتا کہ انھوں نے اس خطے میں موجود ہندوستانی روایت سے کوئی استفادہ کیا ہو اور اس پر نفیاً یا اثباتاً کوئی کلام کیا ہو، بلکہ ان کا تمام سرمایۂ استفادہ اس باب میں یونانی منطق کی درآمد شدہ کتابیں رہی ہیں، جیسا کہ اگلے صفحات میں عہد عہد جائزے سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ اس کے بعد پھر انھیں کتابوں کی شرحیں لکھی گئیں، ان پر حواشی تحریر ہوئے اور اگر کوئی طبع زاد کام ہوا (جس کی کمیت و کیفیت بہت کم ہے) تو وہ تمام کا تمام یونانی منطق پر استوار ہے۔ جب کہ دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ اہلِ مغرب نے اٹھارویں صدی میں ہندوستانی منطق میں دل چسپی لینا شروع کی اور یہاں کے ان علوم و افکار کا مغربی فکر پر اثرات کا جائزہ لیا ہے۔

اب یہاں اس خطے میں مسلمانوں میں فنِ منطق کے نشوو ارتقا کا عہد بہ عہد جائزہ لیا جاتا ہے۔

ساتویں صدی ہجری سے نویں صدی ہجری تک

برصغیر میں مسلمانوں میں فنِ منطق سے اعتنا کا آغاز کب ہوا، اس کے بارے میں حتمی طور پر کچھ کہنا مشکل ہے، البتہ اس کے ماہر علما کا ذکر ہمیں تاریخ میں ساتویں آٹھویں صدی ہجری میں ملتا ہے۔ ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی کہتے کہ جب ساتویں صدی کے دورِ انحطاط اور دورِ جمود کا علمی ورثہ مسلمان اپنے ساتھ برصغیر لائے تو علوم میں ان کا سرمایہ منطق تھا۔[7] چناں چہ تاریخ و تذکرہ کی کتابوں میں تلاش کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس صدی کے بعد ہر صدی میں ہندوستان علمِ منطق کے اہلِ فضل وکمال سے خالی نہیں رہا ہے۔ آٹھویں صدی میں سعد الدین دھلوی، عضد الدین دھلوی اور معین الدین عمرانی جیسے علماے منطق کے نام ملتے ہیں جن سے وقت کے سلاطین نے بھی یہ علوم سیکھے۔(8)

ساتویں صدی سے نویں ہجری کے دو سو سالوں میں اس خطے میں علمِ منطق کی کتاب ''شرح شمسیہ'' داخلِ درس تھی۔(9) اس عہد کا آغاز علاء الدین خلجی (عہد حکومت: 1296ء-1396ء، 695ھ) سے ہوتا ہے۔ مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے مؤرخ ضیاء الدین برنی کے حوالے سے لکھا ہے کہ اس نے اس زمانے کے علما کی ایک طویل فہرست دینے کے بعد لکھا ہے کہ کوئی علم کیوں نہ معقول ہو یا منقول، کلام ہو یا منطق، یہ علما اس میں موشگافی کے اندر ماہر تھے۔[10] فیروز تغلق

(752-796ھ)نے مدرسہ بالابند سیری کی صدارت مولانا جلال الدین رومی کو دی جو شمسیہ اور مطالع کے شارح قطب الدین رازی کے شاگرد تھے۔(11)غالب گمان یہی ہے کہ انھوں نے ہی یہاں قطبی شرحِ شمسیہ کو متعارف کرایا ہوگا۔نویں صدی ہجری میں یہ منطق کی آخری کتاب تھی جو داخلِ درس تھی۔

ساتویں، آٹھویں اور نویں صدی میں منطق کے باب میں اگر تصنیف و تالیف کا جائزہ لیا جائے تو ہمیں کوئی خاص کامیابی حاصل نہیں ہوتی۔نویں صدی میں آکر کر پہلی بار ہمیں محمد بن علی بن شہاب الحسینی الہذانی کا ذکر ملتا ہے جنھوں نے ایک رسالہ شرح الشمس في المنطقتحریر کیا،(12) تاہم اس رسالے کی مزید تفصیلات دست یاب نہیں ہیں۔ان صدیوں میں علما کا زیادہ اعتنا علوم میں تصنیف کے بجائے تدریس کی طرف رہا ہے۔مولانا مناظر احسن گیلانی لکھتے ہیں کہ معقولات کے جس الزام سے ہندی نظامِ علیم کو بدنام کیا جارہا ہے اسکا ان صدیوں میں یعنی ساتویں اور آٹھویں صدی میں پتا بھی نہیں چلتا۔انتہا یہ ہے کہ منطق و فلسفہ، ریاضی وغیرہ تو دور کی چیزیں ہیں، علمِ کلام تک کی کتابوں کا ذکر عام علما کے تدریسی نظام میں نہیں ملتا، البتہ آٹھویں صدی جب ختم ہورہی تھی اور دلی میں لودیوں کے آہنی پنجوں نے پھر ایک مرکزی حکومت قائم کر نے میں کامیابی حاصل کی تو اس خاندان کے دوسرے بادشاہ سلطان سکندر لودھی کے عہد میں جو ایک خاص تعلیمی انقلاب ہوا۔۔اس وقت کتابوں میں ہمیں یہ عبارت ملتی ہے، ملا عبد القادر بدایونی اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ: "قبل ازیں بغیر از شرح شمسیہ و شرح صحائف از منطق و کلام در ہند شایع نہ بود۔"(13) سکندر لودھی سے پہلے کے سلاطین بھی اگرچہ علم پرور تھے لیکن یہ پہلا ہندوستانی شخص ہے جس نے باہر سے آنے والے علما کو ہندوستان میں باقاعدہ آباد کیا اور اس کے دور میں دھلی میں اہلِ فضل و کمال کا ایک مجمع جمع ہوگیا تھا۔

نوی صدی کے اواخر میں ملتان میں جب حالات خراب ہوئے تو اس کے علما اقلیمِ ہند کے دیگر خطوں میں بھی پھیلے۔اس دور میں ہمارے موجودہ ملتان کے مضافاتی علاقے تلنبہ کے ایک عالم مولانا عبد اللہ تلنبی تھے۔ان کے حالات میں درج ہے کہ انھوں نے علومِ عقلیہ کی تحصیل کے لیے ایران کا سفر کیا اور وہاں کے معروف منطقی فاضل شیخ عبد اللہ یزدی[14] سے علمِ منطق پڑھا۔آپ کے ایک اور بھائی مولانا عزیز اللہ تلنبی تھے۔آپ دونوں سکندر لودھی کے عہد میں ملتان سے ہندوستان چلے گئے تھے۔بادشاہ خود آکر آپ کے حلقۂ درس میں شریک ہوتا تھا۔مولانا عبد اللہ تلنبی پہلی شخصیت ہیں جنھوں نے بلادِ ہند میں حلقۂ تدریس میں **رسالہ شمسیہ** کی شرح سے آگے بڑھ کر علمِ منطق کی دیگر کتابوں کو داخلِ درس کیا اور اس طرح یہ دائرہ وسیع ہوگیا۔ہندوستان میں معقولات کے پھیلاؤ کا یہ پہلا مرحلہ ہے اور اس کے، بعد لودیوں کی حکومت ختم ہو جاتی ہے۔(15)

دسویں صدی ہجری

ہندوستان میں دسویں صدی ہجری میں مغلوں کی حکومت ظہیر الدین بابر کے ہاتھوں قائم ہوتی ہے۔ مغلوں کے عہدِ حکومت میں بھی ہمیں معقولات سے زبردست اعتنا ملتاہے۔ پہلا مغل شہنشاہ بابر عقلی علوم کا دلدادہ تھا اور اس دور میں عقلیات سے دل چسپی ہمیں شہنشاہ جلال الدین اکبر کے دور میں اپنے اوجِ کمال پر نظر آتی ہے۔ اکبر کے عہد میں ایرانی کے شہرت یافتہ معقولی عالم غیاث منصور کے ایک شاگرد ملا فتح اللہ شیرازی ہندوستان آئے جنھیں اکبر نے اپنے ہاں نہ صرف بہت اعزاز بخشا بلکہ انھیں امورِ سلطنت میں بھی شریک کیا۔ میر فتح اللہ منطق اور دیگر عقلی علوم کے بہت ماہر تھے۔ میر فتح اللہ کی طرف سے ہندوستان کے نصاب تعلیم میں دوسری بار متاخرین کی کتابوں کا اضافہ ہوا۔ دسویں صدی ہجری کے آخر میں امیر فتح اللہ شیرازی نے علماے ولایت کی کتب معقولات کو درس میں داخل کیا۔ علامہ قطب الدین رازی کے شاگرد علامہ دوانی نے تھذیب المنطق پر ایک نا تمام حاشیہ لکھنا چھوڑا تھا جس کی تکمیل میر فتح اللہ شیرازی نے اس دسویں صدی میں کی۔ نویں صدی کے بعد دسویں صدی میں علمِ منطق میں گویا یہ تصنیفی کام ہمیں ملتاہے۔ مولانا غلام علی آزاد بلگرامی کے حوالے سے مولانا گیلانی نے لکھاہے: از مصنفاتِ او، تکملہ حاشیۂ علامہ دوانی وملا جلال بر تہذیب المنطق وحاشیہ بر حاشیہ مذکور متداول است۔(16)

دسویں صدی میں ہمیں فتح اللہ شیرازی کے علاوہ دو اور نام ملتے ہیں جنھوں نے علمِ منطق میں کتابیں تحریر کیں۔ ایک ہیں مولانا مصلح الدین اللاری جو اپنے عہد کے عقلی علوم کے نام ور عالم تھے۔ آپ نے 990ھ میں مکہ مکرمہ کا سفر کیا اور پھر واپس نہیں لوٹے۔ آپ کی ایک کتاب **شرح المنطق** فارسی میں ہے جس کا ذکر نزھۃ الخواطر میں ملتاہے۔[17] اسی صدی کے دوسرے صاحبِ علم ایک ایرانی عالم شیخ ہبۃ اللہ شیرازی ہیں جو سلطان محمود شاہ کبیر کے دور میں گجرات آئے۔ انھوں نے علمِ منطق میں شرح تہذیب المنطق اور رسالہ شمسیہ پر کلام اور محاکے پر ایک رسالہ لکھاہے۔(18) اس صدی کے نصفِ آخر میں میر زاہد ہروی نے ''شرح تہذیب ملاجلال'' کے ابتدائی حصے پر حاشیہ لکھا، نیز قطب الدین رازی کے رسالہ ''تصور و تصدیق'' کی شرح لکھی۔ دونوں کتابیں ''میر زاہد ملاجلال'' اور ''میر زاہد قطبیہ''، صوری منطق Formal Logic کے مباحث سے زیادہ معقولات کے مسائل پر مشتمل ہیں اور اپنے مصنف کے ابتکارِ فکر کی شاہد ہیں۔(19)

گیارھویں صدی

گذشتہ صدیوں کی نسبت گیارھویں صدی ہجری میں ہمیں علمِ منطق میں تصنیف کی کمیت زیادہ ملتی ہے اور بعض بڑی اور معروف شخصیات کی تصانیف اس باب میں ملتی ہیں۔ شیخ عبدالحق محدث دھلوی(958ھ-1052ھ) اس صدی کی معروف شخصیت ہیں جنھوں نے منطق میں تین کتابیں تحریر کیں۔ شیخ کے سوانح نگار سید احمد قادری ''تذکرہ شیخ عبدالحق محدث دھلوی'' میں لکھتے ہیں کہ فنِ منطق کی تین کتابوں کا ذکر شیخ نے کیا ہے: البناء المرفوع في ترصيص مباحث الموضوع في المنطق۔ اس میں شرحِ شمسیہ، شرحِ مطالع اور ان کے حواشی سے منقول عمدہ مباحث ہیں جن پر شیخ نے اپنی فکر سے بھی عمدہ امور کا اضافہ کیا ہے۔ الدرة البهية في اختصار الرسالة الشمسية۔ یہ رسالہ ایک ہی مجلس میں بیٹھ کر شیخ نے رقم کیا اور ایک ہی صفحے پر متعدد سطور پر مشتمل ہے، جس میں منطق کے جملہ مباحث کا خلاصہ عمدہ طریق پر آگیا ہے۔ شرح الشمسية؛ یہ مبسوط رسالہ ہے لیکن منطق کی مکمل کتاب نہیں۔ سید احمد قادری مزید لکھتے ہیں کہ ان کتابوں کے متعلق راقم کو کوئی علم نہیں۔ کتب خانہ رام پور میں اس فن پر حضرت شیخ کا ایک مطبوعہ رسالہ الجواهر المضية في شرح الدرر البهية آٹھ صفحات کا موجود ہے۔ یہ رسالہ اس فن میں حضرت شیخ کی چوتھی کتاب ہے۔(20)

اس صدی میں دوسری بڑی شخصیت ملا عبدالحکیم سیالکوٹی کی ہے۔ آپ ایک غیر معمولی معقولی اور منطقی شخصیت تھے۔ اس فن میں آپ کی کوئی مستقل تصنیف تو نہیں، البتہ آپ نے مندرجہ ذیل حواشی تحریر کیے ہیں: شرح شمسیہ قطبی پر حاشیہ اور اس کے حاشیے (سید شریف جرجانی) پر حاشیہ۔ شرح مطالع پر حاشیہ۔[21] اس کے علاوہ اس صدی میں جن علما کے نام فنِ منطق میں تصنیف / شرح / حاشیہ نویسی کے ذیل میں ملتے ہیں، ان کی تفصیل یہ ہے:

قاضی الہ داد بلگرامی

علامہ تفتازانی کی '' تہذیب المنطق'' پر تعلیقات تحریر کیں۔(22)

مفتی عبدالسلام دیوی

''شرح تہذیب المنطق'' تحریر کی۔(23)

علاء الملک المرعشی

آپ نے شاہ جہان کے عہد میں منطق میں '' المہذب'' کتاب لکھی۔(24)

جار اللہ الہ آبادی

منطق میں ایک '' رسالہ'' تصنیف کیا۔(25)

شیخ حبیب اللہ قنوجی

منطق میں ایک '' رسالہ'' تصنیف کیا۔(26)

شیخ سعد الدین سَلُوَنی

منطق میں ایک "رسالہ" تصنیف کیا۔(27)

بارھویں صدی ہجری

بارھویں صدی ہجری برصغیر میں اس اعتبار سے علمِ منطق میں تحریر وتصنیف کا عہدِ زریں ہے کہ اس کے آغاز میں ہندوستان کے نام ور فاضل اور عالم شیخ محب اللہ بہاری نے اس خطے کا منطق میں سب سے معروف ومشہور متن سلم العلوم تحریر کیا جس کے ذریعے ہندوستان ہی نہیں، بلکہ پورے عالمِ اسلام کی منطقی عبقریت اپنے ذروۂ کمال کو پہنچ گئی۔ نصابِ درس میں شامل کرنے کے علاوہ بلند پایہ علمانے بھی اسے درخورِ شرح وتحشیہ گردان کر اس کی عظمت وجلالتِ قدر کا اعتراف کیا۔ مشاہیر شارحین میں ملا احمد عبد الحق، مولانا عبد العلی بحر العلوم، قاضی مبارک، حمد اللہ اور ملا حسن خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔ ان کی شروح بجائے خود منطق کی ادبیاتِ عالیہ میں شمار ہونے کی مستحق ہیں۔(28) ملا بہاری کی اس تصنیف کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ منطق کی شاید ہی کوئی کتاب ہو جس کی شرح وحاشیہ کے ساتھ اس قدر خدمت کی گئی ہو، جس قدر اس کتاب کی کی گئی۔(29)

اس صدی میں اس کے علاوہ جن علمانے تصنیف وتالیف اور تحشیہ وشرح نویسی کی خدمت سرانجام دی، ان کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

قاضی عبید اللہ دھلوی

آپ محمد شاہ دھولی کے عہد کے عالم ہیں۔ آپ نے ایک شرح لکھی جو اس خطے میں لکھی گئی ایک کتاب میزان المنطق کی شرح ہے۔ اس کا نام تبیان المنطق ہے۔ اس کے علاوہ آپ نے شیخ عبد الحق محدث دھلوی کے منطق میں ایک رسالے کی شرح لکھی۔(30)

محمد حسن لکھنوی

سلم العلوم پر ایک مبسوط شرح جو مقبول ہوئی۔ منطق میں **متنِ متین** الگ کتاب لکھی ہے۔(31)

محمد شاکر لکھنوی

آپ نے تفتازانی کی تہذیب المنطق کی شرح لکھی۔(32)

سید محمد علی جونپوری

آپ نے معراج الفہوم شرح سلم العلوم تحریر کی۔(33)

شیخ نورالدین گجراتی

آپ نے رسالہ شمسیہ کا حاشیہ اور تہذیب المنطق کی شرح تحریر کی۔(34)

تیرھویں صدی ہجری

اس صدی میں ہمیں برصغیر کی بعض نامور شخصیات کی طرف علمِ منطق میں تصنیف وشرح کا کام ملتا ہے۔

معروف دینی مصلح اور تحریکِ جہاد کے نقیب شاہ اسماعیل شہید (م 1246ھ-1831ء) نے منطق میں ایک رسالہ تحریر کیا جس میں یہ دعوی کیا کہ شکلِ رابع اجلی البدیہیات ہے اور شکلِ اول اس کے خلاف ہے۔اس پر دلائل قائم کیے جس کا رد معاصرین میں سے کسی نے نہیں کیا۔(35)

اس کے علاوہ شاہ رفیع الدین محدث دھلوی نے بھی اس فن میں ایک رسالہ تحریر کیا۔(36) امام شاہ ولی اللہ دھلوی کے سب سے بڑے صاحب زادے شاہ عبد العزیز محدث دھلوی کا کام بھی اس سلسلے میں شان دار ہے۔ آپ نے میر زاہد پر ایک حاشیہ تحریر کیا اور میر زاہد کے حاشیے ملا جلال پر بھی ایک حاشیہ لکھا۔اس کے علاوہ شرح المواقف پر میر زاہد کے حاشیے پر ایک حاشیہ لکھا اور ایک حاشیہ ملا کوسج کے حاشیے پر ہے جس کا نام عزیزیہ ہے۔[37]

اس عہد کی ایک معروف شخصیت ملا فضل امام خیر آبادی ہیں۔ آپ نے منطق میں ایک کتاب متینِ متین کے نام سے لکھی۔ دوسری معروف کتاب المرقاۃ ہے[38] جس میں منطق کے تمام ضروری مباحث کو بہت خوبی کے ساتھ جمع کیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کتاب کو درسِ نظامی میں شامل کیا گیا اور آج تک پڑھائی جاتی ہے اور اس کی کئی شروح اور حواشی بھی تحریر کیے گئے ہیں۔

ملا فضل امام خیر آبادی کے بیٹے مولانا فضل حق خیر آبادی ہیں جنھوں نے اپنے والدِ گرامی سے بھی زیادہ شہرت پائی اور خیر آبادی سکول میں معقولات کے صفحے پر آپ کا نام سر فہرست ہے۔ آپ نے ملا محب اللہ بہاری کی سلم کی شرح قاضی مبارک پر ایک نہایت عالمانہ حاشیہ لکھا ہے۔ ملا محب اللہ بہاری کی سلم العلوم کی کئی شرحیں لکھی گئی ہیں جن میں سب سے معروف قاضی مبارک گوپاموی کی شرح ہے۔ مولانا فضلِ حق خیر آبادی نے اس پر مبسوط حاشیہ تحریر کیا ہے جس میں ان کی اس علم میں عبقریت واضح ہوتی ہے۔ وہ قاضی مبارک کی باتوں پر نقد بھی کرتے ہیں، قدیم منطقیوں سے اختلاف بھی کرتے ہیں اور اپنے دعاوی کو دلائل سے واضح کرتے ہیں۔ یہ حاشیہ پہلی بار دہلی سے 1899ء میں شائع ہوا اور دوسری بار 1975ء میں سرگودھا سے۔

میر باقر داماد کی منطق میں ایک تصنیف الافق المبین پر آپ کا ایک حاشیہ ہے جو غیر مطبوع ہے۔ یہ قلمی نسخہ علی گڑھ یونی ورسٹی میں ہے۔ اس کے علاوہ لاہور میں ماضی قریب کے ایک عالم مولانا عبدالحکیم شرف قادری کے پاس بھی اس کا ایک نسخہ تھا۔[39] منطق میں ایک رسالہ "تشکیک الماہیات" فارسی میں ہے۔ اس کا قلمی نسخہ رضا لائبریری رام پور میں ہے۔[40] عربی زبان میں منطق میں ایک مختصر رسالہ رسالة في تحقيق الكلي الطبعي ہے۔ اسی طرح ایک رسالہ رسالة في العلم والعلوم ہے جو رضا لائبریری رام پور میں ہے۔ ایک اور رسالہ قاطیغوریاس عربی میں ہے جس میں جوہر اور عرض کی بحث ہے۔ یہ بھی رضا لائبریری رام پور میں ہے۔(41)

ان معروف شخصیات کے کام کے علاوہ اس صدی میں دیگر شخصیات کا کام حسبِ ذیل ہے:

امام الدین دھلوی

آپ نے شاہ عبدالعزیز محدث دھلوی کی کتبِ منطق پر تعلیقات کو ایک جلد میں جمع کیا۔(42)

راجہ امداد علی خان کنتوری

منطق میں ایک رسالہ(43)

تراب علی خیر آبادی

الدر المنظوم فی المنطق۔(44)

جواد ساباط الساباطی

مقدمۃ العلوم فی المنطق(45)

مولانا حیدر بن مبین لکھنوی

ایک مختصر رسالہ(46)

سخاوت علی جونپوری

الاسلم فی المنطق(47)

شرف الدین پھلواروی

تہذیب المنطق کی مبسوط شرح(48)

شیخ عبدالاعلی بنارسی

ہدایۃ المسلمین، منظومہ فارسی فی المنطق(49)

عبدالعزیز ملتانی

حاشیہ عزیزیہ علی متن الایساغوجی فی المنطق(50)

مولانا علی محمد سنبھلی

تہذیب المنطق کے تصورات کی مبسوط شرح(51)

ملا مبین لکھنوی

سلم العلوم کی مبسوط شرح(52)

شیخ امام بہلواروی

منطق میں بعض رسائل(53)

نظم الدین دھلوی

منطق میں ایک رسالہ(54)

چودھویں صدی ہجری

اس صدی میں بھی ہمیں علمِ منطق میں تصنیف، شرح، حاشیہ وغیرہ کی تفصیلات ملتی ہیں۔ اس صدی میں ہمیں سب سے زیادہ منطق میں قلم کی جولانیاں مولانا عبدالحی لکھنوی کے ہاں ملتی ہیں جنھوں نے جس فن میں بھی لکھا تو ذروۂ کمال پر فائز معلوم ہوتے ہیں۔ منطق میں آپ کی تصانیف، شروح و حواشی کی حسبِ ذیل تفصیل صاحبِ نزہۃ الخواطر نے نقل کی ہے:

میر زاہد پر غلام یحیی کے حاشیے پر آپ نے هداية الورى إلى سواء الهدى، مصباح الدجى في لواء الهدى اور علم الهدى تین حاشیے تحریر کیے۔ اس کے علاوہ تہذیب المنطق پر ملا جلال کے حاشیے پر بھی ایک حاشیہ ہے۔ اس کے علاوہ مستقل کتابوں میں حل المغلق في بحث المجهول المطلق، الكلام المتين في تحرير البراهين، ميسر العسير في بحث المثناة بالتكرير، الإفادة الخطيرة في بحث سبع عرض شعيرة، دفع الكلال عن طلاب تعليقات الكمالين۔ اس کے علاوہ چار نامکمل تصانیف ہیں: المعارف لما في حواشي شرح المواقف، تعليق الحمائل على حواشي الزاهدية، تعليق على شرح الهياكل، حاشية بديع الميزان۔ قطبی کی بعض ابحاث سے متعلق ایک کتاب الكلام الوهبي المتعلق بالقطبي ہے۔ اپنے بیٹے کے لیے ایک کتابچہ تكملة حاشية النفيسي ہے۔(55)

اس کے علاوہ دیگر علما کے کام کی تفصیل یوں ہے:

مولانا الٰہی بخش فیض آبادی

شرح المرقاۃ فی المنطق فارسی میں(56)

حکیم سراج الحق بدایونی

شرح میزان المنطق(57)

عبدالحی سورتی

نزہۃ الانظار منطق میں منظوم رسالہ(58)

مولانا عبداللہ غازی پوری

منطق میں ایک رسالہ۔ تہذیب المنطق کی ایک شرح(59)

علی اکبر شروانی

الشکوک المورودۃ فی المسائل المنطقیۃ مع الآجوبۃ الشافیۃ(60)

علی عباس چریّاکوٹی

نبراس الفطانۃ(61)

سید علی محمد لکھنوی

تصدیق الصدوق(62)

مولانا محمد حسن سنبھلی

ایساغوجی کی مختصر شرح جسے ایک دن میں لکھا۔ المنطق الحدید کے نام سے میزان المنطق کی مبسوط شرح۔ سوانح الزمن علی شرح السلم للمولوی حسن(63)

مولانا سعید عظیم آبادی

شرح میزان المنطق(64)

وکیل احمد سکندرپوری

عربی میں منطق میں ایک رسالہ(65)

یوسف علی لکھنوی

دوحۃ المیزان(66)

اس کے علاوہ اس صدی میں درسِ نظامی میں شامل کتابوں کی کئی شروحات ملتی ہیں۔ اس کے علاوہ مبتدی طلبہ کے لیے بعض مختصر رسائل بھی علمانے تصنیف کیے لیے تسہیل المنطق مولانا عبداللہ گنگوہی وغیرہ۔

پندرھویں صدی ہجری

اس صدی میں روایتی منطق کے حوالے سے تو قدیم کتب کی کئی شرحیں ملتی ہیں، لیکن اس میں جو قابلِ ذکر بات ہے اور جس سے یہ صدی گذشتہ تصنیفی کام سے ممتاز ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ اس میں مغربی دنیا میں منطق کے نشوارتقا کے پیشِ نظر جدید منطق میں طبع زاد اور ترجمہ شدہ چند کتابیں ملتی ہیں۔ چناں چہ 1979ء میں ایک مصنف Sosen Stebing کی کتاب کا ترجمہ **جدید ابتدائی منطق** کے نام سے ڈاکٹر سلطان علی شیدا نے کیا۔ یہ کتاب نئی دھلی انڈیا سے قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان سے شائع ہوئی۔ دوسرا ایڈیشن 1999ء میں طبع ہوا۔ اس سے پہلے 1965ء میں ڈاکٹر سی اے قادر نے ایک کتاب **تعارف منطق جدید** کے نام سے لکھی جو جامعہ کراچی سے شائع ہوئی۔ اس کے علاوہ اس صدی میں استقرائی منطق پر دو عمدہ کتابیں بھی لکھی گئیں، ایک **منطق استقرائی** از مولوی محمد حسین اور دوسری **منطقِ استقرائیہ** از سید کرامت حسین جعفری۔ اسی مؤلف کی منطقِ استخراجی میں ایک کتاب **منطق استخراجیہ** ہے۔[67] ان کتابوں کا اسلوبِ تالیف جدید ہے اور انگریزی اصطلاحات کے ساتھ ہے جس کی وجہ سے یہ کالج اور یونی ورسٹی کے طلبہ کے لیے مفید ہیں۔ پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ کے تحت بارھویں جماعت میں بھی منطق شاملِ نصاب ہے اور اس مقصد کے لیے تیار کی گئی درسی کتاب منطق کے بنیادی مباحث کا احاطہ کرتی ہے۔ اردو میں ایک اچھی کتاب ڈاکٹر عبد اللہ عباس ندوی کی **تفہیم المنطق** ہے جو اگرچہ قدیم منطق میں ہے، لیکن اس کا اسلوبِ تالیف نیا ہے تاکہ کالج، یونی ورسٹی کے طلبہ کے علاوہ عام قارئین بھی اس فن سے فائدہ اٹھا سکیں۔

مولانا عبد الحی لکھنوی نے **الثقافة الإسلامية في الهند** اپنے عہد تک اس خطے کے علما کی طبع زاد کتابوں، حواشی اور سلم العلوم کے حواشی اور شروح کی تفصیلی فہرست دی ہے۔ یہاں اسے درج کیا جاتا ہے، جن میں سے بیشتر اوپر آ چکی ہیں، لیکن بیک نظر دیکھنے کے لیے یہ فہرست مفید ہے۔

منطق میں اہلِ ہند کی طبع زاد کتابیں:

1- **سُلَّمُ العلوم**، قاضی محب اللہ بن عبد الشکور بہاری 2- **غاية العلوم و معارج الفهوم**، حسن بن غلام مصطفی انصاری لکھنوی (یہ کتاب اپنی علمی دقت اور متانت میں سلم العلوم کے پائے کی کتاب ہے۔) 3- **مرقات**، فضل امام بن محمد ارشد عمری خیر آبادی 4- **متنِ متین**، سخاوت علی عمری جون پوری 5- **متنِ متین**، شاہ رفیع الدین محدث دھلوی 6- **العرفان**، عبد الحکیم بن امین اللہ لکھنوی 7- **معیار المنطق** (یہ اس خطے کی اردو میں منطق کی شاید پہلی تصنیف ہے اور حسنِ تالیف میں اہم کتاب ہے۔) 8- **البناء المرفوع**، عبد الحق بن سیف الدین دھلوی 9- **الدرة البهية في اختصار الشمسية**، عبد الحق بن سیف الدین

دھلوی 10-مبادئ الحکمت، شیخ نذیر احمد دھلوی 11-رسالہ فی المنطق، شیخ حبیب اللہ قنوجی 12-الدر المنظور فی المنطق، تراب علی خیر آبادی م 1242ھ، اس کتاب کی تالیف پر مصنف کو امیر مدارس کی طرف سے سات ہزار روپے انعام میں ملے۔13-الانوار المشرقیہ فی الاسرار المنطقیہ، عبد الرحیم بن مصاحب علی گورکھ پوری 14-التالیفات التمثیلیۃ الی رسالۃ الاسرار المنطقیۃ، نفسِ مؤلف 15-رسالۃ فی المنطق، حیدر بن ملا مبین لکھنوی 16-ہدایۃ المسلمین (فارسی میں منطق کا منظوم رسالہ)، عبد الاعلیٰ بن کریم اللہ بنارسی، م 1274ھ 17-مطالع خورشید، غلام امام بن منتہور خان حیدر آبادی 18-رسالۃ فی المنطق، نظام الدین بن مہدی علی دھلوی 19-معین الغائصین فی رد المغالطین، عبد الحلیم بن امین اللہ لکھنوی 20-نبراس الفطانۃ، علی عباس چریّا کوٹی 21-تصدیق الصدوق، علی محمد بن سید محمد شیعی لکھنوی، 22-منطق (اردو)، عبد اللہ غازی پوری 23-اصول المنطق، ابو صالح کانپوری 24-التحقیق الانیق فی التصور والتصدیق، قاضی عبد الرحمٰن 25-مرقاۃ الاذہان فی علم المیزان، سید معین الدین کاظمی کروی 26-دوحۃ المیزان، یوسف علی گوپاموی 27-حل المغلق فی بحث المجہول المطلق، عبد الحی بن عبد الحلیم لکھنوی 28-الکلام الوہبی فی حل بعض عبارات القطبی، نفس مؤلف

منطق میں اہلِ ہند کی شروحِ منطق:

کتبِ منطق کی شروح وحواشی کے باب میں ہندوستان کا حصہ خاصا زیادہ ہے۔ داخلِ درس کتب پر علمانے کئی حواشی اور شروح لکھے ہیں جن میں سے صرف سلم العلوم کے شروح و حواشی کی تعداد مولانا عبد الحی حسنی نے سینتیس شمار کی ہے۔(68) مولانا حسنی کے بعد بھی اس کتاب کے متعدد شروح وحواشی لکھے گئے ہیں جن میں سے اردو میں بھی ایک قابلِ لحاظ تعداد ان شروح کی موجود ہے جیسا کہ حاشیہ نمبر 28 میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ منطق کی مختلف کتابوں کے سو سے زائد شروح وحواشی کی ایک تفصیلی فہرست بھی مولانا حسنی نے فراہم کی ہے۔(69)

مذکورہ بالا تاریخی جائزے اور استقرا کی رو سے ہم اس خطے میں لکھی جانے والی کتابوں، شروحات اور حواشی کو اگر الگ سے نمایاں کرنا چاہیں تو اس کی تفصیل حسبِ ذیل ہوگی۔

ہجری صدی	طبع زاد کتابیں	شروح	تراجم	حواشی
ساتویں سے نویں		1		
دسویں	1	3		2
گیارھویں	4	5		4
بارھویں	1	10		

تیرھویں		7		14
چودھویں		8		14
پندرھویں	4	درسی کتابوں کی بے شمار شروح	1	2

اس جدول سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس خطے میں طبع زاد کتابوں کا تناسب ہر صدی میں بہت کم رہا ہے اور اس کے مقابلے میں پہلے سے موجود کتابوں کے حاشیے اور ان کی شرحیں لکھنے کا کام سب سے زیادہ ہوا ہے۔ طبع زاد کتابوں میں بھی اس خطے کا قابلِ ذکر کام محب اللہ بہاری کی **سلم العلوم** ہے جو اس فن میں اگرچہ کسی جدید بات کا اضافہ تو نہیں کرتی لیکن یونانی منطق کے مسائل کا ایک جامع متن ہے جس کی خدمت پھر یہاں کے علمانے شرحیں اور حاشیے لکھ کر سب سے زیادہ کی۔ جہاں تک ترجمے کا کام ہے تو منطق میں یہ باب افسوس ناک حد تک تشنہ ہے۔ صرف پندرھویں صدی میں آکر انگریزی سے اردو میں ایک ترجمہ شدہ کتاب کا پتا چلتا ہے جو جدید منطق پر ہے۔ جدید منطق کے حوالے سے اسی صدی میں استقرائی منطق پر اردو میں دو عمدہ کتابیں اور ایک جدید منطق کے تعارف پر کتاب لکھی گئی ہے۔ روایتی استخراجی منطق پر سید کرامت حسین جعفری اور عبد اللہ عباس ندوی جدید اسلوب میں لکھی گئیں ہیں۔ اس کام سے پہلی بار علمِ منطق جدید تعلیم یافتہ طبقے کی ضرورت کو بھی مدنظر رکھ کر مدون کیا گیا ہے۔

مزید کام کی ضرورت اور نوعیت

قدیم منطق پر علمانے جو کتابیں، شروح اور حواشی عہد بہ عہد لکھے ہیں، ان کو عملی پہلو سے دیکھا جائے تو وہ نظری نوعیت کا کام ہے۔ عہدِ عباسی میں یونانی علوم کے تراجم کی وجہ سے ہمارے مختلف علوم خاص طور پر اصولِ فقہ کی تدوین میں منطق سے بہت کام لیا گیا ہے۔ ہم اپنے خطے میں لکھی گئی کتابوں (جو کہ اکثر درسی ضرورتوں کے تحت لکھی گئی ہیں) کا جائزہ لیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے ذریعے ایک طالب علم منطق کے مجرد مباحث سے واقف تو ہو جاتا ہے، لیکن اس میں اس فن کا تطبیقی پہلو نظروں سے اوجھل رہتا ہے جو ہمارے علمانے علومِ دینیہ کی تدوین میں استعمال کیا ہے۔ اس بات کی ضرورت ہے کہ منطق کی اس طرح کی کتابوں کی تدوین کی جائے جن میں علومِ دینیہ کی نصوص سے اعتنا کیا گیا ہو۔ آج طلبہ کی اس فن سے عدمِ مناسبت کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ یہ ہمارے علوم کے ساتھ مربوط نہیں ہے۔

اگرچہ یہ بات درست ہے کہ ہمارے علما کی علمِ جدل اور خلافیات کی کتابوں میں علمِ منطق سے اعتنا پایا جاتا ہے، فقہ کی کتاب **ہدایہ** میں کئی جگہ دلائل منطقی قیاس کی شکل میں ترتیب دیے گئے ہیں اور مناظرات کی کتابوں میں بھی اس کی

متعدد صورتیں دیکھنے کو ملتی ہیں، لیکن نصابی کتابیں عام طور پر اس پہلو سے نا آشنا ہیں۔(70) اس لیے ضرورت ہے کہ اس فن کو تمارین اور مشقوں کے ساتھ متعارف کروایا جائے تاکہ طلبہ میں اس سے پائی جانے والی روز افزوں وحشت کم ہو۔

اس سلسلے میں دوسرا کام جس کی ضرورت ہے، وہ یہ ہے کہ قدیم منطق کے جدید منطق سے موازنے پر کوئی کتاب تیار کی جائے اور مختلف مباحث کا باہمی تقابل کر کے دیکھا جائے کہ قدیم مباحث کے مقابلے میں جدید منطق کے مباحث کہاں کھڑے ہیں؟ منطقِ قدیم کے کون سے مباحث اب لائقِ اعتنا نہیں رہے اور کون سی جدید چیزوں کا جاننا ضروری ہے؟ خاص طور پر اہلِ مغرب نے علمِ منطق کو جو ریاضی سے مربوط کیا ہے اس کے کیا فوائد ہیں اور استقرائی منطق کو قبول کیا اس کا عملی میدان میں فائدہ ہے؟ یہاں علامہ اقبال کا ایک اقتباس پیش کرنا غالباً بے محل نہ ہوگا، وہ کہتے ہیں:

نامور فاضل بریفالٹ اپنی تصنیف "تشکیلِ انسانیت" میں (جو ایک ایسی کتاب ہے جسے اقوام وملل کی ثقافتوں کے مطالعہ وجستجو کرنے والے ہر شخص کو پڑھنا چاہیے۔) ہمیں بتاتا ہے کہ "تجرباتی طریق سے ہمارا تعارف کرانے کا سہرا نہ روجر بیکن کے سر ہے اور نہ اس کے بعد کے ہم نام (Francis Bacon) سر۔ مزید یہ کہ "بیکن کے عہد تک عربوں کا تجرباتی طریق اچھی طرح سے شائع ہو چکا تھا اور بڑے شوق وذوق سے اس کی تحصیل اور مطالعہ یورپ کے طول وعرض میں کیا جاتا تھا۔"

میرے پاس امر کے باور کرنے کے معقول وجوہ موجود ہیں کہ ڈیکارٹ کے منہاجِ تحقیق (Method) اور بیکن کے جدید طریقِ تحقیق (Novum Orgranum) کے اصلی سرچشمے کا سراغ تاریخ علوم کے ماضی بعید میں منطقِ یونانی کے اسلامی ناقدین مثلاً ابنِ تیمیہ، رازی، غزالی اور شہاب الدین سہروردی شہید کے خیالات وتحریرات میں جا کر لگتا ہے! لیکن یہ بدیہی بات ہے کہ اس سلسلے میں موادِ شہادت موجود ہے اور جو اس علمی قیاس کو پایۂ ثبوت تک پہنچا سکتا ہے، اس کو صرف وہی عربی کے فضلا ہاتھ لگا سکتے ہیں، جنھوں نے یونانی، اسلامی نیز یورپی منطق کا خصوصی مطالعہ کیا ہو۔(71)

اقبال کے اس اقتباس سے اس باب میں ایک اور جہت بھی آشکارا ہوتی ہے کہ ہمارے یہاں دینی مدارس میں اگر یونانی منطق سے استفادہ کیا گیا تو اس کے ناقدین مسلم ائمہ کی تحریروں کو کیوں درخورِ اعتنا نہیں سمجھا گیا جنھوں نے اس کی سقیم پہلوؤں کی طرف اشارات کیے، اس پر نقد کیا اور اس کے ساتھ یہ دیکھنے کی چیز ہے کہ آیا انھوں نے اس فکر پر نقد کے ساتھ وہ کون سے معیارات کی طرف اشارات دیے، جن کی بابت اقبال کا کہنا ہے کہ وہ تجربی سائنس کے ارتقا کی بنیاد ثابت ہوئے؟

منطق سے استفادہ کرتے ہوئے آج کل یونی ورسٹیوں میں **التفكير النقدي** یا Critical Thinking کا مضمون پڑھایا جاتا ہے جس کا اصل موضوع فنِ استدلال ہے۔ اس میں دلائل کے تجزیے (Analysis of

(Inductive and Deductive Arguments)، دلائل کو پرکھنے کے استخراجی اور استقرائی معیارات (Standards of Arguments)، منطقی مغالطوں(Logical Fallacies) وغیرہ پر گفت گو کی جاتی ہے۔ اس اطلاقی پہلو کی اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے اس بات کی ضرورت ہے کہ مذکورہ بالا امور کو اردو تصانیف میں متعارف کروایا جائے، جدید طرزِ تالیف کی مدد سے ان مباحث کی تفہیم کی جائے تاکہ علمِ منطق کو طالب علم زندگی سے مربوط ایک علم سمجھ کر اس سے استفادے کی لیاقت پیدا کر سکے۔(72)

جہاں تک فنِ منطق میں ارتقا کا تعلق ہے تو برصغیر میں لکھی گئی کتابوں(بعض جدید اردو کتابوں کے استثنا کے ساتھ) پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس فن میں اسی قدیم یونانی منطق ہی کی کتابوں سے اعتنا ملتا ہے۔ بعض مقامات میں البتہ ہمیں جدت بھی نظر آتی ہے۔ مثلاً، جیسا کہ گزرا، شاہ اسماعیل شہید نے منطق پر اپنی ایک کتاب میں قیاس کی شکلِ رابع کو اجلی البدیہیات کہا ہے جو کہ اس باب میں ایک نیا دعوی ہے جسے انھوں نے مبرہن بھی کیا ہے۔ اسی طرح مولانا فضلِ حق خیر آبادی نے سلم کی شرح قاضی مبارک کے حاشیے میں جو ابنِ سینا وغیرہ کی آرا پر سوالات اٹھائے ہیں، اس سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اس خطے میں منطق کو تنقیدی نظر سے دیکھنے کا رجحان بھی پایا جاتا ہے۔

حوالہ جات

---

1 سید سلیمان ندوی، **عرب وہند کے تعلقات**(الہ آباد: ہندوستانی اکادمی،1930ء)ص128۔

2 نفس مصدر۔

3 بحوالہ شبیر احمد غوری، **اسلامی ہند میں کلام وفلسفہ** (پٹنہ: خدابخش اورینٹل لائبریری پبلک لائبریری،1997ء)، ص59 ومابعد۔

4 بزرگ بن شہریار، عجائب الهند، ص3؛ بحوالہ شبیر احمد غوری، **اسلامی ہند میں کلام وفلسفہ**، ص91۔

5 ان تفصیلات کے لیے دیکھیے:

Mahamahopadhyaya Satis Chandra Vidyabhusana, *A History of Indian Logic (Ancient, Medieval and Modern Schools)* (Delhi: Motilal Banarsidass).

6 Ibid. 296.

7 عبداللہ عباس ندوی، **تفہیم المنطق**،23، مجلس نشریات اسلام کراچی

8 سید عبدالحی الحسنی، الإعلام بمن في تاريخ الهند من الأعلام المسمى بـ (نزهة الخواطر وبهجة المسامع والنواظر) (بيروت، لبنان: دار النشر: دار ابن حزم -)، ط1، 1420 هـ، 1999م، ج2، ص161،

174؛ **محمد تغلق** اس عہد کا نامور سلطان تھا جس نے مولانا عضد الدین دھلوی سے معقولات کی تحصیل کی۔ اس کے عہد میں دھلی میں ان علوم کی ایک معقول تعداد پائی جاتی تھی۔

9 دیکھیے: سید عبدالحی الحسنی، الثقافة الإسلامية في الهند (دمشق: مجمع اللغة العربية، 1983ء)، ص11؛ الشمسية نجم الدین قزوینی (600ھ-675ھ، 1203ء-1277ء) کا منطق میں معروف رسالہ ہے۔ زرکلی کا خیال ہے کہ قزوینی نصیر الدین طوسی کے شاگرد تھے۔ (خیر الدین زرِکلی، الأعلام، ج4، ص 315۔) تاہم ڈاکٹر مہدی فضل اللہ نے اس رائے کو محل نظر قرار دیا ہے۔ (الشمسية في القواعد المنطقية، تعلیق: مہدی فضل اللہ، ص31۔) یہ صرف بیس یا بائیس صفحے کا رسالہ ہے اور عالم اسلام میں منطق کے ان متون میں سے ہے جس پر کثرت سے شرحیں اور حواشی لکھے گئے۔ اس کے سب سے پہلے اور نامور شارح علامہ قطب الدین رازی (694ھ-766ھ، 1294ء-1364ء) ہیں۔

10 شبیر احمد غوری، **اسلامی ہند میں کلام وفلسفہ**، 219۔

11 نفس مصدر، 219۔

12 حسنی، نزهة الخواطر، ج3، ص274۔

13 مناظر احسن گیلانی، **مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت** (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، 2008ء)، ص206۔

14 عبداللہ بن حسین یزدی (1015ھ-1606م)، آپ اصفہان کے عالم تھے۔ علامہ سعد الدین تفتازانی کی تہذیب المنطق پر آپ کی معروف شرح ہمارے یہاں درسِ نظامی میں داخلِ نصاب ہے۔

15 گیلانی، مصدرِ سابق۔

16 گیلانی، مصدرِ سابق، 211۔

17 حسنی، **نزهة الخواطر**، ج4، ص431۔

18 نفس مصدر، ج4، ص444۔ٍ ااِ

19 شبیر احمد غوری، **اسلامی ہند میں کلام وفلسفہ** (پٹنہ: خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، 1997ء)، ص220، 221۔

20 سید احمد قادری، **تذکرہ شیخ عبدالحق محدث دھلوی** (پٹنہ نمبر6: شاد بکڈپو)، ص203، 204۔ (کتاب پر سنِ اشاعت درج نہیں، البتہ دیباچے کے آخر میں تاریخ 27رجب 1368ء درج ہے۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کتاب 1947، 48ء کے دور میں لکھی گئی ہے۔)؛ حسنی، نزهة، ج5، ص556۔

21 حسنی، نفس مصدر، ج5، ص558۔

22 حسنی، نفس مصدر، ج5، ص500۔

23 نفس مصدر، ج5، ص521۔

24 نفس مصدر، ج5، ص588۔

25 حسنی، نفس مصدر، ج6، ص707۔

26 نفس مصدر، ج6، ص711۔

27 نفسِ مصدر، ج6، ص726۔

28 شبیر احمد غوری، مصدرِ سابق، ص221۔

29 مولانا عبدالحی حسنیؒ نے **سلم** پر اپنے دور تک لکھی جانے والی تقریباً پینتیس شروح و حواشی کا ذکر کیا ہے، جیسے شرح قاضی مبارک دائم گوپاموی، شرح حمد اللہ بن شکر سندیلوی، شرح ملا حسن بن غلام مصطفی، مرآۃ الشروح ملا مبین لکھنوی، شرح علامہ بحر العلوم، شرح شیخ احمد عبدالحق، شرح قاضی احد علی سندیلوی، شرح قاضی محمد ولی لکھنوی وغیرہ۔(دیکھیے: حسنی، الثقافة الإسلامية في الهند، 259.) عربی زبان کے علاوہ اردو زبان میں بھی اس کی متعدد شروح موجود ہیں۔ ان میں دو جلدوں میں ایک عمدہ اور قابلِ استفادہ شرح مولانا قاری صدیق احمد صاحب باندوی کی **اسعاد الفہوم فی حل سلم العلوم** ہے۔ایک شرح مفتی شکیل احمد سیتاپوری کی **میزان العلوم** ہے۔اس کے علاوہ **کشف العلوم شرح سلم العلوم** (مفتی حمید الرحمان کراچی)، **بدرالنجوم شرح سلم العلوم** (مفتی عطاء الرحمان ملتانی) وغیرہ اس کی قابل قدر شرحیں ہیں۔

30 حسنی،نزھة ،ج6، ص761۔

31 نفسِ مصدر، ج6، ص813۔

32 نفسِ مصدر، ج6، ص821۔

33 نفسِ مصدر، ج6، ص813۔

34 نفسِ مصدر، ج6، ص855۔

35 نفسِ مصدر، ج7، ص915۔

36 نفسِ مصدر، ج7، ص975۔

37 نفسِ مصدر، ج7، ص1016۔

38 نفسِ مصدر، ج7، ص1063۔

39 تالیفات علامہ فضل حق خیر آبادی مشمولہ "العاقب خاص نمبر فضل حق خیر آبادی"، جولائی تا ستمبر 2009ء، ص198 ومابعد۔

40 نفسِ مرجع

41 نفسِ مرجع

42 حسنی،،نزھة ج7، ص924۔

43 نفسِ مصدر، ج7، ص925۔

44 نفسِ مصدر، ج7، ص940۔

45 نفسِ مصدر، ج7، ص948۔

46 نفسِ مصدر، ج7، ص959۔

47 نفسِ مصدر، ج7، ص979۔

48 نفسِ مصدر، ج7، ص.986

49 نفس مصدر، ج7، ص998۔

50 نفس مصدر، ج7، ص1018۔

51 نفس مصدر، ج7، ص1046۔

52 نفس مصدر، ج7، ص1077۔

53 نفس مصدر، ج7، ص1089۔

54 نفس مصدر، ج7، ص1124۔

55 نفس مصدر، ج8، ص1269۔

56 نفس مصدر، ج8، ص1191۔

57 نفس مصدر، ج8، ص1233۔

58 نفس مصدر، ج8، ص1268۔

59 نفس مصدر، ج8، ص1293۔

60 نفس مصدر، ج8، ص1311۔

61 نفس مصدر، ج8، ص1293۔

62 نفس مصدر، ج8، ص1313۔

63 نفس مصدر، ج8، ص1355۔

64 نفس مصدر، ج8، ص1360۔

65 نفس مصدر، ج8، ص1400۔

66 نفس مصدر، ج8، ص1405۔

67 ان کتابوں کے علاوہ بھی منطق پر کتابوں کے بعض تراجم موجود ہیں؛ تفصیل کے لیے دیکھیے: احمد بلال، **فلسفیانہ موضوعات پر اردو کتاب (تحقیق اور جائزہ)**، پی ایچ ڈی مقالہ، لاہور، جی سی یونی ورسٹی، 2006۔

68 حسنی، **الثقافة الإسلامية في الهند**، 259۔

69 دیکھیے نفس مصدر ص256 ومابعد۔

70 یہاں ایک درسی کتاب **تیسیر المنطق** کی شرح **اساس المنطق** کا ذکر مناسب ہو گا جس کے مصنف مولانا محمد سیف الرحمان قاسم ہیں۔ اس کتاب میں شاید درسِ نظامی میں پہلی بار منطق میں شرح نویسی کی ایک نئی طرح ڈالی ہے جس میں منطق کے مختلف مسائل کو قرآن، حدیث، کتبِ فقہ اور دیگر نصوص سے مزین کیا گیا ہے۔ (دیکھیے: محمد سیف الرحمان قاسم، **اساس المنطق شرح تیسیر المنطق**، گوجرانوالہ، جامعۃ الطیبات، 1996ء)

71 یہ اقتباس **انوارِ اقبال** میں موجود ہے۔

72 عرب دنیا کے نام ور عالم اور مفسر شیخ عبد الرحمان حسن حبنکہ المیدانیؒ کی ایک کتاب **ضوابط المعرفة** اس سلسلے کی ایک اچھی کتاب قرار دی جاسکتی ہے جس میں علمِ منطق کی تدریسی انداز میں تدوین کی گئی ہے؛ تاہم اس کتاب میں جدید منطق کی کتابوں کے بہت سے ضروری امور نہیں آسکے ہیں۔